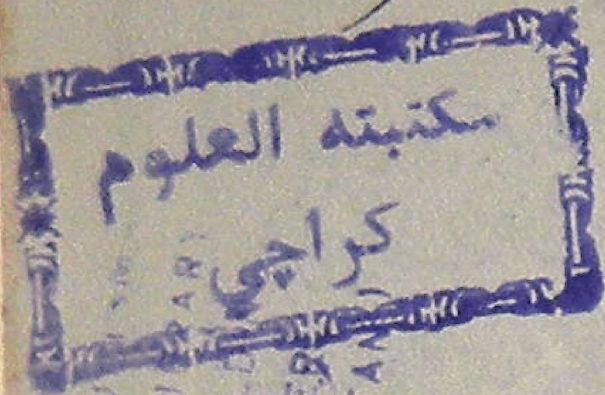


سلسلہ اشاعت 25 امامیہ مشن پاکستان رجسٹرڈ لاہور ۱۷۶



نویں امام علیہ السلام

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے مختصر مگر علم افروز
اور عمل انگیز سوانح حیات

HABIB ELECTRIC TRADING CO.

از قلم حقیقت رقم

کار سید العلماء علامہ علی نقی النقیوی
مجتہد العصر لکھنؤ

قیمت ۲۰ روپے

امامیہ مشن پاکستان سٹیڈی لاہور

کا چھیا لیسواں تبلیغی رسالہ "نویں امام" آپ کے زیر نظر ہے جو امامیہ مشن لکھنؤ سے زیر نگرانی
 شائع ہو چکا ہے۔ ائمہ اہل بیت میں سے امام محمد تقیؑ نے سب سے کم عمر پائی۔ ۷۵ سال کی عمر میں
 سے شہید ہو کر کاظمین میں مدفون ہوئے۔ مگر نشانِ امامت کی آپؑ کا یہ عالم تھا کہ ۱۰ سال کی
 کمسنی میں مامون رشید ایسے فاضل بادشاہ کے بھرے دربار میں ۹ سو علماء کی موجودگی میں
 وقت کے قاضی القضاۃ یحییٰ ابن اکثم جو مسلمانوں کے درخشاں دور علمی کا سب سے بڑا عالم تھا
 اسکو میدانِ مناظرہ میں ایسی عبرتناک شکست دی جو تاریخی ریکارڈ ہے اور اس علمی فتح کی یادگار
 خوشی میں مامون نے اپنی بیٹی "ام الفضل" کو آپ کے حبابہ نکاح میں دینے کا شرف حاصل کیا۔
 الحمد للہ کہ کارکنانِ امامیہ مشن پاکستان چہارہ معصومینؑ کی مختصر سوانح حیات شائع
 کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ زیر نظر رسالہ حضرت امام محمد تقیؑ سے متعلق ہے۔ ہر کار
 سید العلماء و مظاہر نے انتہائی اختصار کے باوجود ضروری واقعات کے سمندر کو کمیٹ
 کر کوزہ میں سمودیا ہے۔ جس کے لئے قوم انکی ممنون احسان ہے۔ ابنائے ملت سے اپیل
 ہے کہ اس قلیل القیمیت مگر کثیر المنافع رسالہ کی توسیع اشاعت میں امکان بھر کوشش فرمائیں
 ناواقف حضرات تک پہنچانے کے لئے مجالس و محافل میلاد میں انکو بطور تبرک تقسیم کریں
 اس صورت میں سو سو سائل (کوئی ایک یا ملا کر) کی خرید پر پچیس فیصد رعایت دی جاتی ہے
 ہمیں امید ہے کہ ہمارے ہی یہ اپیل صد البصر اثابت نہیں ہوگی آپ اپنے اپنے ماحول
 میں مفت تقسیم کا اہتمام فرمائیں گے جو نہ صرف کارکنانِ مشن کیلئے موصلاً افزائی کا باعث
 بلکہ اس طرح بنی نوع انسان کی خدمت کا مقدس فریضہ بھی ادا ہو سکے گا۔ جو یقیناً خوش
 خدا کا باعث ہو گا۔

(جنرل سیکریٹری)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نویں امام

زندگی ہمیشہ کی بقا رکھتی ہے اگر نوزع انسانی کے لئے صحیح نمونہ بن کر سامنے آئی ہو وہ خود تو عمر کے ختم ہونے کے ساتھ نکال ہوں سے اوجھل ہو جاتی ہے لیکن اس کے پائیدار نقش جو انسانی دماغوں پر جم گئے ہیں وہ کبھی نہیں مٹتے۔ ایسی مستبوں کی عمر دیکھنے میں اگر مختصر بھی ہو تو نتیجے کے لحاظ سے اور افادیت پر نظر کرتے ہوئے وہ تاریخ انسانی کا اتنا ہی اہم باب قرار پاتی ہے جتنا زیادہ عمر کو حاصل کر کے کسی انسانی زندگی ہو سکتی ہے۔

سلسلہ آل محمد میں امام تقی علیہ السلام کی یہی حیثیت ہے کہ آپ کی عمر اگرچہ اپنے پہلے اور بعد کے تمام ائمہ میں سب سے کم ہوئی مگر آپ کے علمی اور عملی حدود و حال اور سیرت زندگی کے بلند تعلیمات اتنے ہی اہم ہیں جتنے کسی دوسرے معصوم کے حالات ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ حالات اہلبیت اطہار کے سلسلہ کا یہ رسالہ ان ہی بزرگوں کی سیرت لکھنے کے لئے مخصوص کیا جا رہا ہے۔

نام و نسب | محمد نام ابو جعفر کنیت اور تقی و جواد دونوں مشہور لقب تھے۔ اسی لئے اسم و لقب کو شریک کر کے آپ امام محمد تقی علیہ السلام کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ چونکہ آپ کے پہلے امام محمد باقر علیہ السلام کی کنیت ابو جعفر ہو چکی تھی اس لئے کتابوں میں آپ کو ابو جعفر ثانی اور دوسرے لقب کو سامنے رکھ کر حضرت جواد بھی کہا جاتا ہے۔ والد بزرگوار آپ کے حضرت امام رضاؑ تھے اور والدہ معظمہ کا نام سبیکہ یا سکینہ تھا۔

ولادت

۱۰ رجب ۱۹۵۷ء کو مدینہ منورہ میں ولادت ہوئی۔ اس وقت بغداد کے دارالسلطنت میں ہارون رشید کا بیٹا امین تخت حکومت پر تھا۔

نشو و نما اور تربیت

یہ ایک حسرتناک واقعہ ہے کہ امام محمد تقی علیہ السلام کو نہایت کمسنی کے زمانے ہی میں مصائب اور پریشانیوں کا مقابلہ کرنے کیلئے تیار ہو جانا پڑا۔ انہیں بہت ہی کم اطمینان اور سکون کے لمحات میں باپ کی محبت، شفقت اور تربیت کے سایے میں زندگی گزارنے کا موقع مل سکا۔ آپ کو صرف پانچواں برس تھا۔ جب حضرت امام رضا علیہ السلام مدینہ سے خراسان کی طرف سفر کرنے پر مجبور ہوئے۔ امام محمد تقی علیہ السلام اس وقت سے جو اپنے باپ سے جدا ہوئے تو پھر زندگی میں ملاقات کا موقع نہ ملا۔ امام محمد تقی علیہ السلام سے جدا ہونے کے تیسرے سال امام رضا کی وفات ہو گئی۔ دنیا سمجھتی ہو گی کہ امام محمد تقی علیہ السلام کے لئے علمی اور عملی بلندیوں تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ نہیں رہا، اسلئے اب امام جعفر صادق علیہ السلام کی علمی مسند شاید خالی نظر آئے مگر خلق خدا کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس کمسن بچے کو تھوڑے دن بعد مامون کے پہلو میں بیٹھ کر بڑے بڑے علما سے فقہ اور حدیث، تفسیر اور کلام پر مناظرے کرتے اور ان سب کو قائل ہو جاتے دیکھا۔ انکی حیرت اس وقت تک دور ہونا ممکن نہ تھی جب تک وہ مادی اسباب کے آگے ایک مخصوص خداوندی مدرسہ تعلیم و تربیت کے قائل نہ ہوتے جس کے بغیر یہ معجزہ نہ حل ہوتا اور نہ کبھی حل ہو سکتا ہے۔

عراق کا پہلا سفر | جب امام رضا علیہ السلام کو مامون نے ولیعہد بنایا اور

اسکی سیاست اس کی مقتضی ہوئی کہ بنی عباس کو چھوڑ کر بنی فاطمہ سے وابط قائم کئے جائیں اور اس طرح شیعہ اہلبیت کو اپنی جانب مائل کیا جائے تو اس نے ضرورت محسوس کی کہ خلوص اتحاد کے منظر پر سے کیلئے علاوہ اس قدیم رشتے کے جو ہاشمی خاندان میں سے ہونے کی وجہ سے ہے کچھ جدید رشتوں کی بنیاد بھی قائم کر دی جائے۔ چنانچہ اسی جلسہ میں جہاں ولید عہد می کی رسم ادا کی گئی اس نے اپنی بہن ام حبیبہ کا عقد امام رضا کے ساتھ کیا اور اپنی ام الفضل کی نسبت کا امام محمد تقی سے کے ساتھ اعلان کیا۔ غالباً اس کا خیال تھا کہ اس طرح امام رضا بالکل اپنے بندے جاسکیں گے۔ مگر جب اس نے محسوس کیا کہ یہ بے ان منصبی فرائض کو جو رسول کے ورثہ دار ہونے کی بنا پر ان کے ذمہ ہیں کسی قیمت پر روکنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتے اور اب عباسی سلطنت کا رکن ہونے کے ساتھ ان کا پر قائم رہنا مدینہ کے محلہ بنی ہاشم میں گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرنے سے کہیں زیادہ ناکہ ہے تو اسے اپنے مفاد و سلطنت کے تحفظ کی خاطر اس کی ضرورت ہوئی کہ وہ بے حضرت کی زندگی کا خاتمہ کر دے اگر وہ مصلحت جو امام رضا کو ولی عہد کی تھی یعنی ایرانی قوم اور جماعت شیعہ کو اپنے قبضے میں رکھنا وہ اب بھی باقی تھی لئے ایک طرف تو امام رضا کے انتقال پر اس نے غیر معمولی رنج و غم کا اظہار کیا وہ اپنے دامن کو حضرت کے خون ناحق سے الگ ثابت کر سکے اور دوسری طرف نے اپنے اس اعلان کی تکمیل ضروری سمجھی جو وہ امام محمد تقی کے ساتھ اپنی طرف کی منسوب کر چکا تھا۔ اس نے اس مقصد سے امام محمد تقی کو مدینہ سے عراق کی طرف بلوایا کہ وہ امام رضا کی وفات کے بعد وہ خود خراسان سے اب اپنے خاندان کے پرانے سلطنت بغداد میں آچکا تھا اور اس نے یہ تہیہ کر لیا کہ وہ ام الفضل کا عقد اس صابن دارے

کے ساتھ بہت جلد کر دے۔

علماء سے مناظرہ | بنی عباس کو مامون کی طرف سے امام رضاؑ کا دلی عہد بنایا جا رہا تھا
نا قابل برداشت تھا، امام رضاؑ کی وفات سے ایک حد تک

انہیں اطمینان حاصل ہوا تھا اور انہوں نے مامون سے اپنے حسبِ خواہ اس کے بجائے مؤمن کی
ولیعہدی کا اعلان بھی کر دیا جو بعد میں مقتضی باللہ کے نام سے خلیفہ تسلیم کر لیا گیا۔ اس کے
علاوہ امام رضاؑ کی ولیعہدی کے زمانے میں عباسیوں کا مخصوص شعار یعنی کالابکس ترک ہو گیا
جو سبز لباس کا رواج ہو رہا تھا اسے منسوخ کر کے پھر سیاہ لباس کی پابندی عائد کر دی گئی تھی۔
بنی عباس کے روایاتِ قدیمہ محفوظ رہیں۔ یہ سب باتیں عباسیوں کو صحتین دلاری تھیں کہ وہ
مامون پر پورا قابو پا چکے ہیں اگر اب مامون کا یہ ارادہ کہ وہ امام محمد تقیؑ کو اپنا داماد بنائے ان
لوگوں کیلئے پھر تشویش کا باعث بنا، اس حد تک کہ وہ اپنے دلی رجحان کو دل میں نہ رکھ سکے اور
ایک وفد کی شکل میں مامون کے پاس آکر اپنے جذبات کا اظہار کر دیا۔ انہوں نے صاف صاف
کہا کہ امام رضاؑ کے ساتھ جو آپ نے طریقہ کار اختیار کیا وہی ہم کو ناپسند تھا مگر خیر وہ کم از کم اپنے
عمر اور اوصاف و کمالات کے لحاظ سے قابلِ عزت سمجھے بھی جاسکتے تھے مگر یہ ان کے
بیٹے محمدؑ تو ابھی بالکل کمسن ہیں ایک بچے کو بڑے بڑے علماء اور معززین پر ترجیح دینا
اور اس قدر اسکی عزت کرنا ہرگز خلیفہ کیلئے زیبا نہیں ہے۔ پھر امام حلیہ کا نکاح جو امام رضاؑ
کے ساتھ کیا گیا تھا اس سے ہم کو کیا فائدہ پہنچا جو اب امام الفضل کا نکاح محمد بن علیؑ کے

ساتھ کیا جا رہا ہے۔ تمام تصریح کا یہ جواب دیا کہ محمد کمسن ضرور ہیں مگر میں نے خود
مامون نے تمام تصریح کا یہ جواب دیا کہ محمد کمسن ضرور ہیں مگر میں نے خود

اندازہ کر لیا ہے کہ اوصاف و کمالات میں وہ اپنے باپ کے پورے جانشین ہیں اور عالم ہیں

کے بڑے بڑے علماء جن کا تم حوالہ دے رہے ہو علم میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اگر تم چاہو تو امتحان لے کر دیکھ لو، پھر تمہیں بھی میرے فیصلے سے متفق ہونا پڑے گا، یہ صرف منصفانہ جواب ہی نہیں بلکہ ایک طرح کا چیلنج تھا جس پر مجبوراً ان لوگوں کو مناظرے کی دعوت منظور کرنا پڑی حالانکہ خود مامون تمام سلاطین بنی عباس میں خصوصی حیثیت رکھتا ہے کہ مورخین اس کے لئے یہ الفاظ لکھ دیتے ہیں۔ مَكَانُ يَعْدُ مِنْ كِبَارِ الْفُقَهَاءِ یعنی اس کا شمار بڑے فقیہوں میں ہے اس لئے اس کا فیصلہ خود کچھ کم وقعت نہ رکھتا تھا مگر ان لوگوں نے اس پر اکتفا نہیں کی بلکہ بغداد کے سب سے بڑے عالم یحییٰ ابن الکثیم کو امام محمد تقی علیہ السلام سے بحث کیلئے منتخب کیا مامون نے ایک عظیم الشان جلسہ اس مناظرے کیلئے منعقد کیا اور عام اعلان کروا دیا ہر شخص اس عجیب اور بظاہر غیر متوازی مقابلے کے دیکھنے کا مشتاق ہو گیا جس میں ایک طرف ایک نو بے بس کا بچہ تھا اور دوسری طرف ایک آزمودہ کار اور شہرہ آفاق قاضی القضاۃ اسی کا نتیجہ تھا کہ ہر طرف سے خلایق کا ہجوم ہو گیا تھا۔ مورخین کا بیان ہے کہ ارکانِ دولت اور معززین کے علاوہ اس جلسے میں نو سو کرسیاں فقط علماء و فضلاء کے لئے مخصوص تھیں اور اس میں کوئی تعجب بھی نہیں اس لئے کہ یہ زمانہ عباسی سلطنت کے شباب اور بالخصوص علمی ترقی کے اعتبار سے بہت دور تھا اور بغداد دارالسلطنت تھا جہاں تمام اطراف سے مختلف علوم و فنون کے ماہرین کھینچ کر جمع ہو گئے تھے۔ اس اعتبار سے یہ تعداد کسی مبالغہ پر مبنی معلوم نہیں ہوتی۔

مامون نے حضرت امام محمد تقیؑ کے لئے اپنے پیلو میں مسند بچھرائی تھی اور حضرت

کے سامنے بھی ان اکتھ کے لئے بیٹھنے کی جگہ تھی۔ ہر طرف کامل سناٹا تھا۔ مجمع ہمہ تن چشم و گوش بنا ہوا گفتگو شروع ہونے کے وقت کا منتظر ہی تھا کہ اس خاموشی کو یحییٰ کے اس سوال نے توڑ دیا جو اس نے مامون کی طرف مخاطب ہو کر کیا تھا۔ حضور کیا مجھے اجازت ہے کہ میں ابو حنیفہ سے کوئی مسئلہ دریافت کر دوں۔“

مامون نے کہا ”تم کو خود انہی سے اجازت طلب کرنا چاہیے۔“
یحییٰ، امام کی طرف متوجہ ہوا اور کہا۔ ”کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں آپ سے کچھ دریافت کر دوں؟“

فرمایا۔ ”تم جو پوچھنا چاہو پوچھ سکتے ہو۔“

یحییٰ نے پوچھا کہ ”حالت احرام میں اگر کوئی شخص شکار کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟“
اس سوال سے اندازہ ہوتا ہے کہ یحییٰ حضرت امام محمد تقیؑ کی علمی بلندی سے بالکل واقف نہ تھا، وہ اپنے غرورِ علم اور ہمت سے یہ سمجھتا تھا کہ یہ کم سن صاحبزادے تو ہیں ہی، روزمرہ کے روزے نماز کے مسائل سے واقف ہوں تو ہوں مگر حج وغیرہ کے احکام اور حالت احرام میں جن چیزوں کی ممانعت ہے ان کے کفاروں سے بھلا کہاں واقف ہوں گے۔

امام نے اس کے جواب میں اس طرح سوال کے گوشوں کی الگ الگ تحلیل فرمائی جس سے بغیر کوئی جواب اصل مسئلے کا دیتے ہوئے آپ کے علم کی کھراستوں کا بھی اہل محفل کو اندازہ ہو گیا۔ یحییٰ خود بھی اپنے کوسک پانے لگا اور تمام مجمع بھی اس کا سبک ہونا محسوس کرنے لگا۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ تمہارا سوال بالکل مبہم اور مہمل ہے۔ یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ شکار حل

میں قحایا حرم میں شکار کرنے والا مسئلے سے واقف تھا یا نا واقف اس نے عمداً اس جانور کو مار ڈالا یا دھوکے سے قتل ہو گیا، وہ شخص آزاد یا غلام، کم سن تھا یا بالغ، پہلی مرتبہ ایسا کیا تھا یا اس کے پہلے بھی ایسا کر چکا تھا۔ شکار پر بند کا قحایا کوئی اور چھوٹا قحایا بڑا۔ اپنے فصل پر اصرار رکھتا ہے یا پشیمان ہے۔ رات کو یا پوشیدہ طریقہ پر اس نے یہ شکار کیا یا دن دھاڑے اور علانیہ۔ احرام عمرہ کا قحایا حج کا۔ جب تک یہ تمام تفصیلات نہ بتائے جائیں اس مسئلے کا کوئی معین حکم نہیں بتایا جاسکتا۔

یہی کتنا ہی ناقص کیوں نہ ہوتا بہر حال فقہی مسائل پر کچھ نہ کچھ اس کی نظر تھی، وہ ان کثیر التعداد شقوں کے پیدا کرنے ہی سے خوب سمجھ گیا کہ انکا مقابلہ میرے لئے آسان نہیں ہے۔ اس کے چہرے پر ایسی شکستگی کے آثار پیدا ہوئے جن کا تمام دیکھنے والوں نے اندازہ کر لیا اب اس کی زبان خاموش تھی اور وہ کچھ جواب نہ دیتا تھا۔ مامون نے اسکی کیفیت کا صحیح اندازہ کر کے اس سے کچھ کہنا بیکار سمجھا اور حضرت سے عرض کیا کہ پھر آپ ہی ان تمام شقوں کے احکام بیان فرما دیجئے تاکہ ہم سب کو استفادہ کا موقع مل سکے۔ امام نے تفصیل کے ساتھ تمام صورتوں کے جداگانہ جو احکام تھے بیان فرمائے۔ یحییٰ بکا بکا امام کا منہ دیکھ رہا تھا اور بالکل خاموش تھا۔ مامون کو بھی کد تھی کہ وہ یحییٰ کی رسوائی کو انتہائی درجے تک پہنچا دے۔ اس نے امام سے عرض کیا کہ اگر مناسب معلوم ہو تو آپ بھی یحییٰ سے

کوئی سوال فرمائیں حضرت نے اخلاقاً یحییٰ سے دریافت فرمایا کہ کیا میں بھی تم سے کچھ پوچھ سکتا ہوں۔ یحییٰ اب اپنے متعلق کسی دھوکے میں مبتلا نہ تھا۔ اپنا اور امام اور جہاں سے خوب معلوم ہو چکا تھا۔ اس لئے طرز گفتگو اس کا اب دوسرا ہی تھا۔ اس نے حضور دریافت فرمائی، اگر مجھے معلوم ہوگا تو عرض کر دوں گا ورنہ خود حضور ہی سے معلوم کر لوں گا۔

حضرت نے سوال کیا جس کے جواب میں سچائی نے کھلے لفظوں میں اپنی عاجزی کا اقرار کیا اور پھر امام نے خود اس سوال کو حل فرما دیا۔ مامون کو اپنی بات کے اونچا نہ ہونے کی خوشی تھی۔ اس نے مجمع کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ ”دیکھو میں نہ کہتا تھا کہ یہ وہ گھرانہ ہے جو قدرت کی طرف سے علم کا مالک قرار دیا گیا ہے۔ یہاں کے بچوں کا بھی کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔“ مجمع میں جوش و خروش تھا۔ سب نے یکے بعد دیگرے کہا کہ بیشک جو آپ کی رائے ہے وہ بالکل ٹھیک ہے۔ اور یقیناً ابو جعفر محمد ابن علیؑ کا کوئی مثل نہیں ہے۔ مامون نے اس کے بعد ذرا بھی تاخیر نہ کیا۔

نہیں سمجھی اور اسی جلسے میں امام محمد تقی علیہ السلام کے ساتھ ام الفضل کا عقد کر دیا۔ نکاح کے قبل جو خطبہ عموماً پڑھا جاتا ہے وہی ہے کہ جو امام محمد تقیؑ نے اس عقد کے موقع پر اپنی زبان مبارک پر جاری کیا تھا۔ یہی بطور یادگار نکاح کے موقع پر باقی رکھا گیا ہے۔ مامون نے اس شادی کی خوشی میں بڑی فیاضی سے کام لیا۔ لاکھوں روپیہ خیرات میں تقسیم کیا گیا اور تمام رعایا کو انعامات و عطایا کے ساتھ مالا مال کیا گیا۔

شادی کے بعد تقریباً ایک سال تک امام محمد تقیؑ مدینہ کی طرف واپسی | بغداد میں مقیم رہے، اس کے بعد مامون نے بہت

اہتمام کے ساتھ ام الفضل کو حضرت کے ساتھ رخصت کر دیا اور امام مدینہ میں اپنی تشریف لائے | اخلاق و اوصاف | امام محمد تقیؑ اخلاق و اوصاف میں انسانیت کی اس بلندی پر پہنچے جس کی تکمیل رسولؐ اور آل رسولؑ کا

طرز امتیاز تھی۔ ہر ایک سے جھک کر لینا، ضرورت مندوں کی حاجت روائی کرنا، مساوات اور سادگی کو ہر حال میں پیش نظر رکھنا، غرباء کی پوشیدہ طور پر خبر لینا، دوستوں کے علاوہ دشمنوں تک سے اچھا سلوک کرتے رہنا، مسلمانوں کی خاطر داری میں انہماک اور

علمی اور مذہبی پیاسوں کے لیے فیض کے چشموں کا جاری رکھنا آپ کی سیرت زندگی کا نمایاں پہلو تھا۔ بالکل ویسا ہی جیسے اس سلسلہ معصمت کے دوسرے افراد کا تھا جن کے حالات اس کے پہلے رسالوں میں لکھے جا چکے ہیں۔

اہل دنیا جو آپ کے بلند نفس کا پورا اندازہ نہ رکھتے تھے انہیں یہ تصور ضرور ہوتا تھا کہ ایک کسب بچے کا عظیم الشان مسلمان سلطنت کے شہنشاہ کا داماد ہو جائے یقیناً اس کے چال ڈھال طور طریقے کو بدل دیگا اور اسکی زندگی دوسرے سلسلے میں ڈھل جائے گی حقیقت میں یہ ایک بہت بڑا مقصد ہو سکتا ہے جو مومن کی کوتاہ نگاہ کے سامنے بھی تھا۔ نبی امیہ یا نبی عباس کے بادشاہوں کو آل رسول کی ذات سے اتنا اختلاف نہ تھا جتنا ان کے صفات سے۔ وہ ہمیشہ اسکے درپے رہتے تھے کہ بلندی اخلاق اور معراج انسانیت کا وہ مرکز جو مدنیہ منورہ میں قائم ہے اور جو سلطنت کے مادی اقتدار کے مقابلے میں ایک مثالی روحانیت کا مرکز بنا ہوا ہے یہ کسی طرح ٹوٹ جائے۔ اسی کے لئے گھبرا گھبرا کر وہ مختلف تدبیریں کرتے تھے امام حسین سے بیعت طلب کرنا اسی کی ایک شکل تھی اور پھر امام رضا کو ولیعهد بنانا اسی کا دوسرا طریقہ۔ فقط ظاہری شکل صورت میں ایک کا اندازہ معاندانہ اور دوسرے کا طریقہ ارادت مندی کے روپ میں تھا۔ مگر اصل حقیقت دونوں صورتوں کی ایک تھی جس طرح امام حسین نے بیعت نہ کی تو وہ شہید کر ڈالے گئے۔ اسی طرح امام رضا ولیعهد ہونے کے باوجود حکومت کے مادی مقاصد کے ساتھ ساتھ نہ چل سکے تو آپ کو نہ ہر کے ذریعے سے ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا گیا۔

اب مومن کے نقطہ نظر سے یہ موقع انتہائی قیمتی تھا کہ امام رضا کا جانشین

تقریباً آٹھ برس کا ایک بچہ ہے جو تین برس پہلے ہی باپ چھڑا لیا جا چکا تھا۔ حکومت وقت کی سیاسی سوچ بوجھ کہہ رہی تھی کہ اس بچے کو اپنے طریقے پر لانا نہایت آسان ہے اور اس کے بعد وہ مرکز جو حکومت وقت کے خلاف ساکن اور خاموش مگر انتہائی خطرناک قائم ہے ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائیگا۔

مامون امام رضاؑ کے ولیعهدی کی مہم میں اپنی ناکامی کو مالیوسی کا سبب نہیں تصور کرتا تھا اس لئے کہ امام رضاؑ کی زندگی ایک اصول پر قائم رہ چکی تھی اس میں تبدیلی اگر نہیں ہوئی تو یہ ضروری نہیں کہ امام محمد تقیؑ جو آٹھ برس کے سن سے تھوڑی حکومت میں نشوونما پا کر بڑھیں وہ بھی بالکل اپنے بزرگوں کے اصول زندگی پر برقرار رہیں۔

سوائے ان کم لوگوں کے جو ان مخصوص افراد کے خداداد کمالات کو جانتے تھے اسوقت کا ہر شخص یقیناً مامون ہی کا ہم خیال ہوگا۔ مگر دنیا کو سیرت ہو گئی جب یہ دیکھا کہ وہ نو برس کا بچہ جسے شہنشاہ اسلام کا داماد بنایا گیا ہے اس عمر میں اپنے خاندانی رکھ رکھاؤ اور اصول کا اتنا پابند ہے کہ وہ شادی کے بعد محل نشاہی میں قیام سے انکار کر دیتا ہے اور اسوقت بھی کہ جب بغداد میں قیام رہتا ہے تو ایک علیحدہ مکان کرایہ پر لے کر اس میں قیام فرماتے ہیں۔ اس سے بھی امام کی مستحکم قوت ارادی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ عموماً مالی اعتبار سے لڑکی والے کچھ بھی بڑا درجہ رکھتے ہوتے ہیں تو وہ یہ پسند کرنے میں کہ جہاں وہ ہیں وہیں داماد بھی رہے۔ اس گھر میں نہ سہی تو کم از کم اسی شہر میں اس کا قیام ہے۔ مگر امام محمد تقیؑ نے شادی کے ایک سال بعد ہی مامون کو حجاز واپس جانکی اجازت پر مجبور کر دیا۔ یقیناً یہ امر ایک چاہنے والے باپ اور مامون ایسے بااقتدار کے لئے انتہائی ناگوار تھا مگر اسے لڑکی کی جدائی گوارا کرنی پڑی اور امام مع الفضل

کے مدنیہ تشریف لے گئے۔

مدنیہ میں تشریف لانے کے بعد ڈیوڑھی کا وہی عالم رہا جو اس کے پہلے تھا۔ نہ
پیرے دار نہ کوئی خاص روک ٹوک نہ تزک و احتشام نہ اوقات ملاقات نہ ملاقاتوں
کے ساتھ بہتاؤں میں کوئی تفریق۔ زیادہ تر نشست مسجد نبوی میں رہتی تھی۔ جہاں
مسلمان حضرت کے وعظ و نصیحت سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ راویان حدیث
اخبار و احادیث دریافت کرتے تھے۔ طلاب علم مسائل پوچھتے تھے۔ صاف ظاہر تھا کہ
جعفر صادقؑ ہی کا جانشین ہے جو اسی مسند علم پر بیٹھا ہوا ہدایت کا کام انجام دے رہا ہے
امور خانہ داری اور ازدواجی زندگی میں آپ کے بزرگوں نے اپنی بیویوں کو جن حدود
میں رکھا ہوا تھا انہی حدود میں آپ نے ام الفضل کو بھی رکھا۔ آپ نے اس کی مطلق
برواہ نہ کی کہ آپ کی بیوی ایک شہنشاہِ وقت کی بیٹی ہیں۔ چنانچہ ام الفضل کے مہر
لئے آپ نے حضرت عمار یا سر کی نسل سے ایک محترم خاتون کے ساتھ عقد بھی فرمایا
اور قدرت کو نسلِ امامت اسی خاتون سے باقی رکھنا منظور تھی۔ یہی امام علی نقیؑ کی ماں
ہوئیں۔ ام الفضل نے اس کی شکایت اپنے باپ کے پاس لکھ کر بھیجی۔ مامون کے دل کیلئے
اس کا یہ کچھ کم تکلیف دہ امر نہ تھا مگر اسے اب اپنے کئے کو نباہنا تھا، اس نے ام الفضل
کو جواب لکھا کہ میں نے تمہارا عقد ابو جعفر کے ساتھ اس لئے نہیں کیا ہے کہ ان پر کسی
مالِ حرام کو حرام کر دوں۔ مجھ سے اب اس قسم کی شکایت نہ کرنا۔

یہ جواب دیکھ کر حقیقت میں اس نے اپنی خفت مٹائی ہے۔ ہمارے سامنے اس کی
ظہری موجود ہیں کہ اگر مذہبی حیثیت سے کوئی با احترام خاتون ہوئی ہے تو اس کی زندگی
کی دوسری بیوی سے نکاح نہیں کیا گیا۔ جیسے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

لئے جناب خدیجہؓ اور حضرت علی مرتضیٰؓ کے لئے جناب فاطمہ زہراؓ۔ مگر شہنشاہ دنیا کی بیٹی کو یہ اثیاز دینا صرف اسلئے کہ وہ ایک بادشاہ کی بیٹی ہے اسلام کی اس روح کے خلاف تھا جس کے آل محمدؑ محافظ تھے۔ اسلئے امام محمد تقیؑ نے اس کے خلاف طرز عمل اختیار کرنا اپنا فرض سمجھا۔

تبلیغ و ہدایت آپ کی تقریر بہت دلکش اور پرتاثر ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ زمانہ حج میں کہ معظمہ میں مسلمانوں کے مجمع میں کھڑے ہو کر آپ نے احکام شرع کی تبلیغ فرمائی تو بڑے بڑے علماء و دم بخود اور ذلک رہ گئے۔ اور انہیں اقرار کرنا پڑا کہ ہم نے ایسی جامع تقریر کبھی نہیں سنی۔

امام رضاؑ کے زمانہ میں ایک گروہ پیدا ہو گیا تھا جو امام موسیٰ کاظمؑ پر توقف کرتا تھا۔ یعنی آپ کے بعد امام رضاؑ علیہ السلام کی امامت کا قائل نہیں تھا۔ اور اسی لئے واقعہ کہلاتا تھا امام محمد تقیؑ نے اپنے دور میں اس گروہ میں ایسی کامیاب تبلیغ فرمائی کہ سب اپنے عقیدے سے تائب ہو گئے اور آپ کے زمانہ ہی میں کوئی ایک شخص الیہا باقی نہ رہ گیا جو اس سلسلہ کا حامی ہو۔ بہت سے بزرگ مرتبہ علمائے آپ سے علوم الہدیتؑ کی تعلیم حاصل کی۔ آپ کے ایسے مختصر حکیمانہ مقولوں کا بھی ایک ذخیرہ ہے جیسے آپ کے جد بزرگوار حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کے کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ جناب امیر علیہ السلام کے بعد امام محمد تقیؑ کے مقولوں کو ایک خاص درجہ حاصل ہے۔ الہیات اور توحید کے متعلق آپ کے بعض بلند پایہ خطبے بھی موجود ہیں۔

عراق کا آخری سفر ۲۱۸ھ میں مامون نے دنیا کو خیر باد کہا۔ اب مامون کا بھائی اور ام الفضل کا چچا مومنین جو امام رضاؑ کے بعد ولیعہد بنا ہوا

چکا تھا تخت سلطنت پر بیٹھا اور معتصم باللہ عباسی کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کے بیٹھے ہی
 امام محمد تقیؑ سے متعلق ام الفضل کے اسی طرح کے شکایتی خطوط کی رفتار بڑھ گئی۔ جس طرح
 کے اس نے اپنے باپ مامون کو بھیجے تھے۔ مامون نے چونکہ تمام بنی عباس کی مخالفتوں کے
 بعد بھی اپنی لڑکی کا نکاح امام محمد تقیؑ علیہ السلام کے ساتھ کر دیا تھا اسلئے اپنی بات کی
 بیخ اور کئے کی لاج رکھنے کی خاطر اس نے ان شکایتوں پر کوئی توجہ نہیں کی۔ بلکہ مایوس کر
 دینے والے جواب بیٹی کی زبان بند کر دی۔ مگر معتصم کو جو امام رضاؑ کی دلی عہدی کا داغ
 اپنے سینہ پر اٹھائے ہوئے تھا اور امام محمد تقیؑ کو داماد بنائے جانے سے تمام بنی عباس
 کے نمائندے کی حیثیت سے پہلے ہی اختلاف کرنے والوں میں پیش پیش رہ چکا تھا
 امام الفضل کے شکایتی خطوں کو اہمیت دیکر اپنے اس اختلاف کو جو اس نکل جانے سے
 تاحق بجانب ثابت کرنا تھا۔ پھر سب سے زیادہ امام محمد تقیؑ کی علمی مرجعیت آپ کے اخلاقی
 اثر کا شہرہ جو جاز سے بڑھ کر عراق تک پہنچا ہوا تھا۔ وہ بنائے نہایت ہو معتصم کے
 نزدیک کو امام محمد تقیؑ کے بزرگوں سے رہ چکی تھی اور پھر اس سیاست کی ناکامی اور منصوبے کی
 شکست کا محسوس ہو جانا جو اس عقد کا محرک ہوا تھا جس کی تشریح پہلے ہو چکی ہے۔ یہ تمام
 باتیں تھیں کہ معتصم مخالفت کے لئے آمادہ ہو گیا۔ اپنی سلطنت کے دوسرے سال
 امام محمد تقیؑ کو مدینہ سلجداد کی طرف بلوا بھیجا۔ حاکم مدینہ عبدالملک کو اس بارے
 میں تاکید خط لکھا، مجبوراً امام محمد تقیؑ اپنے فرزند حضرت امام علی نقیؑ اور ان کی
 والدہ کو مدینہ میں چھوڑ کر بغداد کی طرف روانہ ہوئے۔

بغداد میں تشریف لانے کے بعد تقریباً ایک سال تک معتصم نے آپ کے
 ساتھ بظاہر کوئی سختی نہیں کی مگر آپ کا یہاں کا قیام خود ہی ایک بھری

حیثیت رکھتا تھا۔ جسے نظر بندی کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے۔ اس کے بعد اسی خاموش حربے سے جو اکثر اس خاندان کے بزرگوں کے خلاف استعمال کیا جاتا تھا آپ کی زندگی کا خاتمہ کر دیا گیا۔ اور ۲۹ ذی القعدہ ۲۲۰ھ میں زہر سے آپ کی شہادت ہوئی اور اپنے جدِ بزرگوار حضرت امام موسیٰ کاظم کے پاس دفن ہوئے۔ آپ ہی کی شرکت کا لحاظ کر کے عربی کے قاعدے اس شہر کا نام کاظمین (دو کاظم یعنی غصہ ضبط کرنے والے) مشہور ہوا ہے اس میں حضرت موسیٰ کاظم کے لقب کو صراحتہ سامنے رکھا گیا جبکہ موجودہ زمانے میں اسٹیشن کا نام جو ادین (دو بواد یعنی نیا ض) درج ہے۔ جس میں صراحتہ حضرت امام محمد تقی کے لقب کو ظاہر کیا جا رہا ہے۔ چونکہ آپ کا لقب تقی بھی تھا اور جوادؑ یہ ایک حقیقت ہے کہ جتنے سادات رضوی کہلاتے ہیں وہ اصل تقویٰ ہیں یعنی حضرت امام محمد تقیؑ کی اولاد ہیں۔ اگر حضرت امام رضاؑ کی اولاد امام محمد تقیؑ کے علاوہ کسی اور فرزند کے ذریعہ سے بھی ہوتی تو امتیاز کے لئے وہ اپنے کو رضوی کہتی اور امام محمد تقیؑ کی اولاد اپنے کو تقویٰ کہتی۔ مگر چونکہ امام رضاؑ کی نسل صرف امام محمد تقیؑ سے چلی اور حضرت امام رضاؑ کی شخصی شہرت سلطنت عباسیہ کے ولیعہد ہونے کی وجہ سے جو مسلمانوں میں بہت ہو چکی تھی اس لئے تمام اولاد کا حضرت امام رضاؑ کی طرف منسوب کر کے تعارف کیا جانے لگا۔ اور رضوی کے نام سے مشہور ہوئے۔

رضوی سید

امامیہ مشن کے معیاری تبلیغی طریقہ کے حصول کیلئے آپؑ روپیہ لانہ کی گزیت قبل فرماویں

نویں امام

(مطبوعہ تعلیمی پریس پور)